Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 5, Issue 2
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

ڈاکٹر سید ضمیر الحسن
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، گورنمنٹ گریجویٹ کالج میانوالی
ڈاکٹر انصر عباس
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، یونیورسٹی آف میانوالی

مخطوطہ شناسی کی روایت اور امتیاز علی عرشی کے امتیازات

Dr Syed Zamir ul Hassan
Assistant Professor Govt Graduate College, Mianwali
Dr Ansar Abbas
Assistant Professor Department of Urdu, University of Mianwali

Tradition Of Script Recognition And The Distinctions Of Imtiaz Ali Arshi

When after traveling a long distance the human civilization on earth reaches the first rung of the ladder of enlightenment it aspires to harness the power of nature and the strong desire to pass on the experiences, mental and intellectual capital to the next generations becomes strong. The possible answer to which is searched in shapes and appearances. It is this image, the appearance, the painting which makes writing a top priority for a civilized world. Letter writing enjoys much importance in the East. Like other languages with the name of Urdu language there comes in the mind the image of a script. This is the language which is written in Persian script. Persian script is not only its essential factor but it is also its life blood. In view of the requirements of their language Urdu literary giants have been making many changes. The Persian book writers aromatized the garden of letter writing with the smell of aesthetic sense. Letter recognition is a knowledge. Its popularity in Europe is less in comparison to that in the East. Excavation and its related research came into vogue. The researchers have started making attempts to read engravings on various buildings and to know about the mutual relation between different scripts. There are various writings on Egyptian oak, dry clay and fine membranes, in the ancient times. Organization of all this information led to the founding a new art of letter recognition. In Urdu also, the experts of this art accessed these sciences by recognizing ancient manuscripts. In the field of script recognition, Sir Syed Ahmad Khan, Hafiz Muhammad Sheerani, Hafiz Abdul Wadood and Dr.Waheed Qureshi are valuable personalities. Imtiaz Ali Khan Arshi is another name in the field of Script recognition who enjoys unique identity in this field. This study aims at resuscitating the dying tradition of script recognition and with the guidance of the script recognizers like Imtiaz Ali in crossing its milestone of school of thought with his guidance to smooth the way for future compilers and script recognizers.

Key Words: Human Civilization, Imtiaz Ali Arshi, Image, Script, Manuscript, Manuscript ology, Organization, Epigraphy, Pen Prescription,

کلیدی الفاظ : خط کا ارتقا، خط شناسی، اردو رسم الخط، مخطوطہ، مخطوطہ شناسی، اردو مخطوطہ شناس، قلمی نسخہ، امتیاز علی عرشی کی مخطوطہ شناسی، استخراج اصول مخطوطہ

خط کا آغاز

بلاشبہ روئے زمین پر انسانی تہذیب طویل مسافت طے کرنے کے بعد جب شعور کی سیڑھی کے پہلے زینے پر قدم رکھتی ہے تو اسے مافی الضمیر پر

قدرت کی طلب ہوتی ہے اور آنے والی نسلوں تک اپنے تجربات، ذہنی و فکری سرمایہ منتقل کرنے کی خواہش زور پکڑتی ہے جس کا ممکنہ جواب نقوش واشکال کی صورت میں تلاش کیا جاتا ہے۔ یہی نقوش واشکال، نقش و نگار، تصویر نگاری متمدن دنیا کے لیے تحریر کا نقش اولیں ثابت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر فضل الحق اس حوالے سے قلم کشا ہوتے ہیں:

''انسان کو روئے زمین پر آئے ہوئے ایک عرصہ گزر گیا اور وہ تحریر و کتابت سے ناآشنا ہی رہا بلکہ اس کے ذہن میں اس کا تصور تک نہ آیا لیکن جب اس کی اجتماعی تنظیم کی ہیئت میں توسیع پیدا ہوئی اور اس کی حاجتیں حیوانی سطح سے بلند تر ہونے لگیں تو اسے ایسے ذرائع کی تلاش ہوئی جن کی مدد سے وہ دور دراز رہنے والے اپنے ابنائے جنس کے ساتھ اظہار مافی الضمیر پر قادر ہو سکے یا آنے والی نسلوں کے لیے اپنے ذہنی و فکری سرمایہ کو مستقل طور پر چھوڑ سکے۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے اس کلیے کے تحت'' اظہار مافی الضمیر'' کا یہ وسیلہ ان نقوش واشکال میں تلاش کیا گیا جنھیں وہ پتھر کی تختیوں پر تیشہ کی مدد سے نقش کرتا اور کسی کے ہاتھ مطلوب مخاطبوں کو بھیجتا۔ جہاں تک تاریخ میں خط شناسی کے آغاز کا تعلق ہے تو اس قسم کی تصویر نگاری کا آغاز مصر قدیم میں ہوا اور یہی تصویر نگاری متمدن دنیا کے جملہ تحریری و کتابی نظاموں کا جرثومہ ثابت ہوئی۔'' (۱)

خط یوں تو بہت سے معانی و مفہوم میں مستعمل ہے۔ ماہرین مخطوطہ شناس خط کی تعریف مخطوطات اور تحریر کے زمرے میں رکھتے ہوئے اس انداز میں کرتے ہیں: ''خط یا تحریر وکتابت افکار و تصورات کو حروف یا دیگر قسم کی اشکال کے ذریعے مادی اشیاء پر منقوش کر کے محفوظ کر کے قلم بند کرنے کا نام ہے۔'' (۲) چھ سو سال قبل عربی زبان کے فاضل شمس الدین اکفانی نے اپنے رسالہ ارشاد القاصد میں خط کی تعریف کچھ یوں کی ہے:

''خط وہ علم ہے جس سے حرف مفردہ کی صورتیں، ان کے اوضاع اور تحریر میں ان کے آپس میں ترکیب دینے کی کیفیت کا بیان ہوتا ہے۔ نیز اس بات کا کہ خط سے سطور کے اندر کیا لکھا جائے کس طرح لکھا جائے اور کیا نہ لکھا جائے اور اس چیز کے بدل کا بیان ہوتا ہے جو حجے کرنے میں بدل دیا جاتا ہے۔ نیز اس چیز کا جس سے وہ بدلا جاتا ہے۔'' (۳)

مشرق میں خط و کتابت ایک بڑی اہمیت کی حامل رہی ہے۔ مذہبی تقدس سے وابستگی کی بدولت بھی جہاں اس کو اہمیت اور تحفظ حاصل رہا ہے۔ وہاں مذہبی تفریق نے ان کو چند مخصوص طبقوں تک محدود کر رکھا تھا تاکہ مذہبی تقدس برقرار رہے۔ اسافل و اراذل اور عورت سے اسے دور رکھنے کی کوشش کی جاتی رہی۔ مشرق میں بالخصوص اہمیت اسلام کی بدولت ملی کہ اسلام نے لکھنے پڑھنے کو بہت اہمیت دی ہے۔ ابتدا ہی اس بات سے تھی کہ ''اقراء باسم ربک الذی خلق'' (پڑھ اپنے رب کے نام سے جو خالق ہے) رب کائنات نے تخلیق انسان کے بعد بڑا احسان یہ کیا کہ اسے قلم سے لکھنے کی تعلیم دی اور اس نادان کو دانائی سکھائی۔ قرآن نے دستاویزات و معاملات کو قلم بند کرنے کا کہہ کر اس میں تقویت پیدا کی۔ اسی کتابت و تحریر کے ذریعہ انسان کا امتیازی خاصہ قوت سے فعل میں ظاہر ہوتا ہے اور اسی کے ذریعے وہ دوسرے حیوانوں سے ممتاز ہوتا ہے۔ شمس الدین اکفانی خط کی افادیت اور امتیاز علوم کے اندر کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

''علوم کا مدار تین چیزوں پر ہے۔ اشارہ، لفظ اور خط ان سب میں سے سب سے زیادہ افادہ بخش اور اشرف خط ہے۔ کیوں کہ اشارہ کے لیے مشاہدہ کی اور لفظ کے لیے مخاطب کی موجودگی اور اس کا سننا شرط ہے۔ مگر تحریر و کتابت کے لیے ان میں سے کسی چیز کی حاجت نہیں ہے۔'' (۵)

ابراہیم بن محمد شیبانی خط کی بڑی جامع اور بلیغ تعریف کچھ اس انداز میں رقم کرتے ہیں:

''خط ہاتھ کی زبان ہے، ضمیر کی خوشی ہے، عقلوں کا سفر ہے، فکر کا وصی ہے، معرفت کا ہتھیار ہے۔ جدائی کی حالت میں دوستوں کا انس ہے اور بعد مسافت کے باوجود باہمی گفتگو کا ذریعہ ہے۔ بھیدوں کے لیے امانت کے رکھنے کی جگہ ہے اور جملہ امور کا دفتر اور دیوان ہے۔'' (۶)

اردو رسم الخط

دیگر زبانوں کی طرح اردو زبان کا نام آتے ہی ایک رسم الخط کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے۔ اردو رسم الخط کے حوالے سے ڈاکٹر فضل الحق لکھتے ہیں: '' یہ وہ زبان ہے جو فارسی رسم الخط (Persian Script) میں لکھی جاتی ہے اور یہ فارسی رسم الخط اس کا جزو لاینفک ہی نہیں اس کا جوہر حیات بھی ہے۔'' (۷) یہ مخصوص رسم الخط سو فیصد فارسی نہیں ہے کیوں کہ اردو دانوں نے اپنی لسانی ضروریات کے پیش نظر بہت سی تبدیلیاں کی ہیں۔ فارسی رسم الخط کی ایک شکل ضرور ہے۔ فارسی یا قرون وسطیٰ کی فارسی جس کی تحریر کی کتابت کے لیے یہ رسم الخط استعمال کیا جاتا تھا۔ بنیادی طور پر ساسانی عہد کی پہلوی زبان کا تسلسل تھی۔ مگر فارسی بولنے والوں نے اس کی تحریر و کتابت کے لیے قدیم پہلوی رسم الخط اختیار نہیں کیا جو ایران کے پہلے رسم الخطوں سے ماخوذ تھا۔ اس کے لیے عربی رسم الخط کو بھی کام میں لایا گیا۔ فارسی کاتبوں نے فارس کے حسنِ طبیعت کی بُو باس سے گلشنِ خطاطی کے حسن کو مزید

نکھارا۔اردو اور فارسی رسم الخط نے عربی سے بھی استفادہ کیا۔عربی خط بھی خود عربوں سے موسوم نہیں بلکہ یہ آرامی رسم الخط سے منسوب کیا جاتا ہے۔آرامی رسم الخط، فینقی رسم الخط سے ماخوذ تھااور فینقی رسم الخط، مصری رسم الخط سے ماخوذ گردانا جاتا ہے۔

تاریخ خط شناسی

خط شناسی ایک حدیث الاختراع علم ہے۔یورپ میں اس کی شہرت مشرق کی نسبت کم ہے۔ حفریات(Excavation)اوراس سے متعلقہ تحقیقات کا رواج ہوا۔ محققین مختلف عمارتوں پر کندہ کتبات پڑھنے اور مختلف رسوم خط کا باہمی تعلق معلوم کرنے کی کوشش کرنے لگے ہیں۔حفریاتی کاوشوں سے حفیری اوراق، خذف ریزوں اور باریک جھلیوں پر عہد عتیق کی جھلیوں پر مختلف تحریریں ہیں۔ان تمام معلومات کو منظم کرنے کے نتیجے میں ایک نئے فن خط شناسی کی بنیاد پڑی۔عربی زبان میں رسم الخط میں قدیم فن خط شناسی کی منزلیں بھی طے ہوتی نظر آتی ہیں۔اس میں سائنٹیفک انداز تحقیق کی بجائے افسانوی رنگ اختیار کر لیا تھا۔خط و تہجی نیز حروف کا آغاز انبیاء سابقین کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔فن خط شناسی کی بحث جس میں رسم الخط سے متعلق افسانوی بحثوں کو محفوظ کیا گیا، وہ ابن الندیم کی کتاب الفہرست کا پہلا مقالہ مختلف خطوط کے افسانوی آغاز اور تدریجی ارتقا پر مشتمل ابن الندیم ایک ہزار سال پہلے مرتب ہوئی تھی۔'' (۸) محققین کے بقول: کسی مخطوطے کو مطالعے یا تحقیق کا موضوع بنانے سے پہلے ہمیں اس کی اصلیت یا استناد (Authenticity)کے بارے میں اطمینان کرنا ہوگا۔اس کی ضرورت کیوں پیش آئی۔حقیقت یہ ہے کہ جس طرح بازار تجارت میں سکہ رائج کی جگہ سکہ جعلی کا چلن بھی ہوا کرتا ہے اسی طرح بازار علم میں بھی ہوتا ہے۔ ''(۹)

خط شناسی قدیم تحریروں کو جو حصیری اوراق(Paypyrus)، باریک جھلیوں(Parchment) ،موم اندو الواح (wan tablet)، خذف ریزوں، لکڑی یا کاغذ پر لکھی ہوئی ہوں، ان کی تاریخ کتابت متعین کرنے، پڑھنے اور تحلیل و تجزیے کے علم کا نام ہے۔قدیم تحریریں حجری کتبات اور سکوں پر بھی مرقوم ہوتی ہیں۔لہذا خط کی قدامت کے اعتبار سے'' خط شناسی ''کا علم کتبات(Epigraphy)اور علم مسکوکات(Numismatics)سے بھی گہرا تعلق ہے۔تینوں کا موضوع قدیم رسم الخط ہے اور اس سے متعلقات کی تحقیق ہے۔

مخطوطات کا جہاں تک تعلق ہے تو قدیم فارسی رسم الخط مخطوطات کمیاب ہیں۔قدیم فارسی رسم الخط یا تو عمارتوں کے کتبات میں ملتا ہے یا پرانے سکّوں میں ہندوستان میں رائج رہا۔فارسی رسم الخط استعمال کرنے والی ثقافت کا آغاز ساتویں صدی ہجری (تیرھویں صدی مسیحی) سے ہوتا ہے۔ان کتبات سے اس عہد کے رسم الخط کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔عہد کے سلاطین اپنے سکے بھی جاری کرتے تھے جس کی بدولت اس عہد کے رسم الخط پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

مخطوطہ شناسی

کسی گم نام گوشے میں پڑے ہوئے ایسے متون کی شناخت، تصحیح اور اس کی قدر و قیمت کا تعین جو تاریخ ادب میں اہمیت کے حامل ہوں، مخطوطہ شناسی کا موضوع ٹھہرتے ہیں۔کسی مخطوطے کی تصحیح و ترتیب بہت اہم لیکن حقیقتاً نہایت وقت طلب اور دشوار عمل ہے۔کسی مخطوطے کو مرتب کرنے کے مقاصد محض ایک کتاب کو گم نامی سے نکال کر شائع کر دینا نہیں ہے بلکہ مصنف کے اصل افکار، انداز تحریر، زبان، عہد زبان، زمان تک پہنچنا اور ایک قابل اعتبار اور صحیح نسخہ تیار کرنا ہے۔متن کی تصحیح کے لیے ذہن کی باقاعدہ اور ماہرانہ مشق درکار ہے۔نسخے یا مخطوطے عموماً تین قسم کے ہوتے ہیں۔پہلی قسم میں خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا یا مصنف کی فرمایش پر لکھا ہوا نسخہ اور مصنف کا تصحیح کیا ہوا نسخہ شامل ہے۔دوسری قسم میں مصنف کے زمانے کے بعد کے نسخے جو مصنف کے نسخے سے نقل کیے گئے ہوں۔تیسری قسم میں نقل در نقل نسخے شامل ہیں۔ہر قسم کے نسخہ جات کے مسائل کی نوعیت جدا جدا ہے۔تحقیق و تصحیح متن کا زیادہ کام دراصل اسی آخری قسم کے نسخوں میں غلطیوں کے راہ پا جانے کے امکانات زیادہ ہو جاتے ہیں۔لیکن خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ بھی غلطیوں سے پاک نہیں ہو سکتا۔اس کے علاوہ لکھنے میں الفاظ چھوٹ جاتے ہیں۔اس کے باوجود خود نوشت نسخے کی اہمیت مسلمہ ہے۔اس کی عدم موجودگی کی صورت میں اس سے قریب ترین نسخہ کو معتبر مانا جاتا ہے۔تحقیق، تصحیح و ترتیب متن کے لیے ضروری ہے کہ محقق طرز املا و تاریخ خط سے واقف ہو۔اس کے بغیر نسخوں کا تعین کرنا ممکن نہیں۔طرزِ خط، املا، کاغذ، روشنائی، عہد بہ عہد کی زبان، فن شاعری، عروض وغیرہ سے واقف ہونا ضروری ہے۔

اردو میں مخطوطہ شناسی کی روایت

اردو میں مخطوطہ شناسی کی روایت میں سر سید احمد خان ایک اہم نام ہے۔جنھوں نے مخطوطہ شناسی میں ایک اہم کردار ادا کیا۔اس کے بعد حافظ محمود شیرانی کا نام قابل ذکر ہے جنھیں پنجاب میں اردو پر کام کرنے کے لیے منتخب بھی اسی مہارت کی بدولت کیا گیا تھا کہ وہ اس فن میں مشاق تھے۔انھوں

نے قدیم مخطوطات کی بدولت ہی پنجاب میں اردو کا نظریہ پیش کیا تھا۔ قاضی عبدالودود کا نام بھی مخطوطہ شناسی میں بڑی قدر و قیمت کا حامل ہے۔ان شخصیات کے ساتھ ساتھ مالک رام اور ڈاکٹر وحید قریشی ماہر مخطوطہ شناسوں کی صف میں قابل قدر شخصیات ہیں۔ مخطوطہ شناسی کا ایک اہم نام امتیاز علی خان عرشی کا ہے جو مخطوطہ شناسی میں الگ شناخت رکھتے تھے۔

مخطوطہ شناسی میں امتیاز علی خاں عرشی کی امتیازی حیثیت

امتیاز علی خاں عرشی کی مخطوطہ شناسی کے اہم شاہکاروں میں انتخاب غالب، دیوان غالب، نسخہ عرشی، مکاتیب غالب، دستور الفصاحت، نادرات شاہی، رانی کیتکی کی کہانی، سلکِ گوہر، اردو اور پشتو کے ساتھ ساتھ فارسی عربی تالیفات بھی شامل ہیں۔ عرشی کی مخطوطہ شناسی میں ایک اپنی الگ امتیازی حیثیت تھی جس کا اعتراف کچھ ان الفاظ میں ملتا ہے۔ڈاکٹر خلیق انجم کے بقول:

''بیسویں صدی نے دو عظیم محقق اور ایک متنی نقاد پیدا کیا میری مراد ہے حافظ محمود شیرانی، قاضی عبدالودود اور امتیاز علی خان عرشی ان میں شیرانی صاحب اور قاضی عبدالودود محقق اور عرشی صاحب متنی نقاد۔''(۱۰)

بیسویں صدی کے عظیم اردو محقق و مدون مولانا امتیاز علی خاں عرشی کی تدوینی حیثیت بلاشبہ اس صدی کا امتیاز ہے۔ جس نے ایسے عظیم مدون اردو ادب کو عطا کیے۔ وہ عربی، فارسی اور اردو ادب کے بڑے اور جید عالم تھے۔انھوں نے اپنے شوق سے انگریزی بھی سیکھی تھی۔اردو ادب میں بیک وقت وہ ایک نقاد، ادیب اور شاعر کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں لیکن ان کی بنیادی پہچان تدوین متن کے حوالے سے ہے اور فارسی کے کلاسیکی متون کی سائنٹیفک طریقے پر تدوین کی اور ان متون کو حیات جاوداں عطا کر دی۔انھوں نے جتنے بھی متون مدون کیے ان کی انفرادیت جھلکتی ہے۔ محققین اس حوالے سے لکھتے ہیں: ''جملہ معترضہ کے طور پر عرض کر دوں کہ مولانا امتیاز علی خاں عرشی کا مرتبہ مکاتیب غالب، غالب کے خطوط کا غالباً وہ پہلا ایڈیشن ہے جس میں انتہائی سائنٹیفک طریقے سے متن کا تنقیدی ایڈیشن تیار کیا گیا ہے۔'' (۱۱)

امتیاز علی خاں عرشی کا امتیاز یہ ہے کہ مدونہ متون میں وہ لمبا چوڑا مقدمہ تحریر کرتے ہیں جس میں وہ اپنے موضوع کی روایت سے متعلق وسیع معلومات، قلمی نسخے کی کیفیت اپنے تدوینی طریقہ کار کی وضاحت، مصنف کے سوانحی حالات اور مصنف کی دیگر تصانیف وغیرہ کا تعارف کراتے ہیں۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے فرہنگ غالب کی ترتیب میں فارسی لغات مرتب کرنے والوں کی ایک لمبی فہرست مہیا کر دی۔اس حوالے سے وہ خود رقم طراز ہوتے ہیں۔ ''ہندوستان میں فارسی لغات پر جتنی کتابیں تصنیف ہوئیں۔ان کا احصاء طویل فہرست چاہتا ہے۔ یہاں صرف ان چند تالیفات کے نام لکھے جاتے ہیں جو یا چھپ چکی ہوں یا کتاب خانہ رام پور میں یا دوسرے مشہور کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔''(۱۲) اس کے بعد انھوں نے اڑتیس لغات کی فہرست دے دی جو موضوع پر ان کی وسیع معلومات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مولانا عرشی کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ کسی متن کو تدوین کرنے سے پہلے وہ اس کے متعلق بہت ساری معلومات جمع کر لیتے تھے اور ان معلومات کو بہتر طریقے سے ترتیب دے کر مقدمے کی صورت میں قاری تک پہنچا دیتے ہیں۔ مثلاً فرہنگ غالب کی تدوین میں انھوں نے برصغیر میں فارسی فرہنگ نویسی کی پوری روایت بیان کر دی ہے۔ جو موضوع پر ان کی دسترس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

''اہل علم کی رائے میں جن فارسی لغت نویسوں کو محققین شمار کیا جانا چاہیے ان میں تقدم زمانی کے لحاظ سے پہلا شخص عبدالرشید صاحب فرہنگ رشید ہے۔ان کے بعد خان آرزو اکبر آبادی کا درجہ ہے۔ یہ فارسی کے بڑے نکتہ اور دقیقہ سنج شاعر اور نقاد تھے۔آرزو کے بعد ٹیک چند بہار کا نمبر آتا ہے۔ جن کی بہار عجم محاورات کا عظیم الشان مجموعہ ہے'۔ ایشیا اور یورپ دونوں جگہ معتبر و مستند تسلیم کی جاتی ہے۔ بہار کے بعد خود آرزو کے وطن اکبر آباد میں ایک فارسی کا دلدادہ پیدا ہوا جو مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی کہلاتا اور فارسی اور اردو کا بہت بڑا شاعر مانا جاتا ہے۔'' (۱۳)

مخطوطہ شناسی کے فن میں انھیں خاص ملکہ عطا تھا۔ قلمی نسخے کی شناخت میں انھیں کمال مہارت حاصل تھی۔ کاغذ، قلم، روشنائی، خطاطی، املا، کتابت وغیرہ کی تاریخ سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔تدوین میں وہ نسخے کا تعارف اس بہترین طریقے سے کراتے تھے کہ اسے پڑھ کر قاری کو نسخے کے بارے میں اہم بنیادی معلومات سے تشنگی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ مثلاً نادرات شاہی کے قلمی نسخے کا تعارف انھوں نے اس طریقے سے کرایا کہ قاری اس کی جزئیات سے اچھی طرح آگاہ ہو جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اصلی قلمی نسخہ گہرے بادامی رنگ کے کشمیری کاغذ پر دیوناگری اور نستعلیق دونوں خطوں میں لکھا ہوا ہے۔ چوں کہ دیوناگری اوپر اور نستعلیق نیچے ہے۔اس لیے کتاب الٹے ہاتھ سے شروع کی گئی ہے۔ نظموں کو زبان اور مضمون کے لحاظ سے کئی حصوں میں بانٹ دیا گیا ہے اور ہر حصے کے ورقوں پر نئے سرے سے ہندسے ڈالے ہیں اور ہر ایک کے شروع صفحے پر شنگرفی روشنائی سے صرف نستعلیق خط میں عنوان لکھ دیا ہے۔ اصل شعر کالی روشنائی سے اور

ان کے عنوانات شنگرفی سے تحریر کیے گئے ہیں۔ شاید کاغذ اچھی بناوٹ کا نہ تھا۔ ورنہ سوڈیڑھ سو برس میں اتنا بوسیدہ نہ ہوتا کہ مڑتے ہی ٹوٹ کر الگ ہو جاتا ہے ۔ ورقوں کی تعداد ۱۸۸ اور ہر ہر صفحے کی سطروں کی عام طور پر ۱۲ ہے۔ ہر حصہ نظم کے بعد دو یا تین ورق سادہ لگائے گئے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ وہی پہلا نسخہ ہے جو بادشاہ کے لیے تحریر کیا گیا تھا۔''(۱۴)

امتیاز علی عرشی کا شمار منجھے ہوئے تجربہ کار مدونین میں ہوتا ہے۔ اپنی تدوین میں وہ فن تحقیق وتدوین کو اچھی طرح بروئے کار لاتے ہیں اور اس مقصد کے حصول کے لیے وہ بہت محنت اور عرق ریزی سے کام لیتے ہیں۔ وہ اپنی تدوین سے متعلق مختلف معلومات کو اس طریقے سے جمع کرتے ہیں کہ تحقیق وتدوین کے لیے طالب علم کے ساتھ قاری عام کے لیے بھی ان سے مستفید ہونا آسان ہو جاتا ہے۔ انھی معلومات میں سے ایک تدوینی طریقہ کار کی وضاحت ہے۔ تدوین میں اختیار کردہ اپنے طریقہ کار کی وہ بہت جامع انداز میں وضاحت کرتے ہیں تاکہ قارئین کو ان کی تدوین کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ مثلاً فرہنگ غالب میں اختیار کیے گئے اپنے تدوینی طریق کار کی وضاحت ذیل کے الفاظ میں کرتے ہیں:

''کتاب کے دو حصے ہیں پہلا حصہ عربی و فارسی وغیرہ اور دوسرا اردو الفاظ پر مشتمل ہے۔ ہر لفظ کی تشریح کے بعد قوسین میں ان کتابوں کے رموز لکھ دیے گئے ہیں۔ جہاں سے وہ تشریح ماخوذ ہے۔ لیکن غالب بے کسی لفظ کو بطور مترادف استعمال کیا تھا مگر میں نے اسے اس لیے لغت قرار دے دیا ہے۔ جو اصحاب غالب کے چُنے ہوئے الفاظ کو اپنی تحریروں میں استعمال کرنے کے خواہاں ہوں۔ وہ مشہور اور مستعمل لفظ کے ذریعے اس لفظ تک باآسانی رسائی حاصل کر سکیں جو غالب نے فارسی الفاظ سے اپنے لیے چُنا تھا۔''(۱۵)

امتیاز علی عرشی اپنی تدوین کے لیے منتخب کردہ متون کے املائی اور لسانی پہلو پر بھی توجہ دیتے تھے۔ اگر متن میں مؤلف یا کاتب کی طرف سے املا یا کتابت کی کوئی غلطی رہ جاتی تھی تو دیباچے یا مقدمے میں وہ اس طرف اشارہ بھی کر دیتے تھے۔ اس کے لیے وہ مودّب اور مدلّل انداز اختیار کرتے تھے۔ مثلاً مکاتیب غالب میں مرزا غالب کی املائی غلطیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''میر زا صاحب سے بعض الفاظ کی املا میں بھول چوک بھی ہوئی ہے جو عربی، فارسی اور دیگر انگریزی ہر زبان کے لفظوں میں پائی جاتی ہے۔ اردو کا لفظ سوچنا ہے اس کے متعلق سوچ کو انھوں نے سونچ اور سونچنا لکھا ہے۔ اسی طرح پہنچنا کے مشتق کو انھوں نے پہنچا کو پونچھا لکھ گئے ہیں۔ گھٹائیں ان کے قلم سے گھٹائیں بن گئی ہیں۔''(۱۶)

امتیاز علی عرشی تحقیق میں کسی اطلاع کو حرف آخر نہیں سمجھتے تھے اور نئے شواہد کی موجودگی میں پہلے سے ماخذ کردہ اپنے نتائج میں تبدیلی تک کر دیتے تھے۔ اسی طرح تدوین میں بھی وہ اپنے مدونہ متون پر نظر ثانی کرتے رہتے تھے اور ہر نئے ایڈیشن میں پہلی طباعت یا طباعتوں میں رہ جانے والی تحقیقی وتدوینی کامیوں اور کمزوریوں کو دور کر کے بہتری کی طرف گامزن رہے تھے۔ اس حوالے سے تبصرہ کرتے ہوئے مکاتیب غالب کے چوتھے ایڈیشن میں خود کہتے ہیں: ''اب کہ یہ چوتھا نسخہ شائع کیا جا رہا ہے مرتب کو اطمینان ہے کہ اس کا متن میر زا صاحب کے پسندیدہ اصول، املا کے بالکل مطابق اور دیباچے اور حواشی کے مباحث پچھلی تمام طباعتوں سے زیادہ صحیح اور مفید ہیں۔''(۱۷) اسی طرح نادرات شاہی کے قلمی نسخے کے کچھ الفاظ ان کی سمجھ میں نہیں آئے تھے۔ انھوں نے اس کا برملا اظہار کر کے ساتھ ساتھ آئندہ ایڈیشنوں میں '' نادرات شاہی '' کے متن میں بہتری کے عزم کا اظہار ذیل کے الفاظ میں کیا تھا:

''اصل قلمی نسخے میں کچھ الفاظ ایسے بھی ہیں جو میری سمجھ میں نہیں آئے انھیں میں نے جوں کا توں نقل کر دیا ہے۔ اگر ہندی ادیبوں نے ان کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی تو آئندہ چھاپے میں درست لکھ دیے جائیں گے۔''(۱۸)

مقدمے میں امتیاز علی عرشی اپنے زیر تدوین متن کے مصنف کے سوانحی حالات بھی بیان کرتے ہیں۔ اسی ضمن میں وہ مصنف کی پیدایش، تعلیم و تربیت، علمی و ادبی رجحان، دوسری تصانیف زندگی کے اہم واقعات، اولاد وغیرہ کے بارے میں چھوٹی چھوٹی جزئیات تک بیان کر دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ مصنف کے عہد کے سیاسی حالات پر بھی بالواسطہ روشنی ڈال دیتے ہیں اور مصنف کا تعلق براہِ راست اپنے عہد کی سیاست سے ہے تو مصنف کے عہد کے سیاسی و سماجی حالات پر بھی خصوصی توجہ دیتے تھے۔ مثلاً نادرات شاہی کے دیباچے میں انھوں نے اس کے مصنف ابوالمظفر جلال الدین محمد شاہ عالم ثانی بادشاہ ہندوستان کی ولادت سے لے کر وفات تک زندگی کے معمولات اور عام واقعے کو بھی زندگی بخش دی ہے مثلاً ان کے نام و نسب کے حوالے سے کہتے ہیں: ''بادشاہ کا اسلامی نام میر زا عبداللہ اور خاندانی عالی گوہر ہے۔ بچپن میں لال میاں اور میر زا باقی بھی کہلاتے تھے۔ بادشاہ ہو کر ابوالمظفر جلال الدین محمد شاہ عالم ثانی کا لقب اختیار کیا۔''(۱۹) اس طرح سیاسی مخاصمت کی بنا پر غلام قادر خاں روحیلہ کے ہاتھوں بادشاہ عالم ثانی کی تذلیل اور نابینا کیے جانے کے بارے میں کہتے ہیں۔:

''اپنی بے عزتی کا غلام قادر خان نے اس طرح انتقام لیا کہ سب شہزادوں اور شہزادیوں کو بر سرعام کھلے منہ نچایااور گوایااور شاہ عالم ثانی کو زبردستی یہ منظر دکھایاتاکہ انھیں اپنی پچھلی حرکتوں کی یاد سے عبرت ہو۔اگر یہ ڈراما اسی حد تک جاکر ختم ہو جاتا تب بھی بہت دردناک تھا۔جذبہ انتقام جوش پر تھا۔اس نے ۷ ذیقعد ۱۲۰۲ھ (۱۰ اگست ۱۷۸۸ء) کو دیوان عام بلا کر بادشاہ سے روپیہ طلب کیااور بادشاہ کے انکار پر انھیں نیچے گرا کر پیش قبض سے آنکھیں نکال لیں۔''(۲۰)

امتیاز علی عرشی تحقیق وتدوین اور مخطوطہ شناسی میں حق وصداقت کی مثال تھے۔وہ کسی جانب داری، شخصیت یا تحقیقی رجحان سے متاثر ہوئے بغیر ٹھوس دلائل اور موجود شواہد کی روشنی میں معروضی نتائج اخذ کرتے تھے۔انھوں نے اردو اور فارسی کے جن متون کی تدوین کی وہ فن تحقیق کے نقطہ نظر سے بہتر ہیں۔برصغیر پاک وہند میں مثال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ان کے تحقیقی اور تدوینی کارناموں سے نہ صرف ہماری زبان کے علمی وادبی سرمائے میں اضافہ ہوا ہے بلکہ نئے لکھنے والوں کو راہ نمائی بھی ملی ہے۔کئی قیمتی اور قابل قدر متون محض انھی کی کوشش اور جستجو کی بدولت پہلی مرتبہ کتابی صورت میں سامنے آئے ہیں۔کئی پرانی کتابوں کو انھوں نے اپنے حسن تدوین سے نئی زندگی بخش دی ہے۔خاص طور پر متون کے تحشیہ وتدوین کا جو بلند معیار انھوں نے قائم کیا ہے۔وہ دنیا کی کسی بھی تدوین کے لیے باعث فخر ہو سکتا ہے۔تدوین متن میں امتیاز علی عرشی صاحب نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے اور مستقبل میں اس مشکل اور پُر خار وادی میں قدم رکھنے والوں کے لیے معیارات مقرر کیے تاکہ مخطوطہ شناسی کی گم ہوتی ہوئی روایت کو اجاگر کیا جا سکے اور تدوین وتحقیق کو درست سمت میں گامزن کیا جا سکے۔

حوالہ جات

۱۔فضل الحق،ڈاکٹر: فن خطاطی و مخطوطہ شناسی،شعبہ اردو،دہلی یونیورسٹی،مئی ۸۲ ۱۹ء۔ص۳۹۔۴۰

۲۔فضل الحق،ڈاکٹر: فن خطاطی و مخطوطہ شناسی،ص۸ ۲۔۲۹

۳۔شمس الدین اکفانی: رائے مشمولہ، فن خطاطی و مخطوطہ شناسی؛فضل الحق،ڈاکٹر، محولہ بالا۔ص۲۹

۴۔شمس الدین اکفانی: رائے مشمولہ، فن خطاطی و مخطوطہ شناسی؛فضل الحق،ڈاکٹر، محولہ بالا۔ص۳۱

۵۔ایضاً۔ص۲ ۳

۶۔ابراہیم محمد شیبانی: رائے مشمولہ، فن خطاطی و مخطوطہ شناسی؛فضل الحق،ڈاکٹر، محولہ بالا۔ص۳۴

۷۔فضل الحق،ڈاکٹر: فن خطاطی و مخطوطہ شناسی،ص۳۵

۸۔ایضاً،ص۲۸

۹۔ایضاً،ص۹

۱۰ ۔خلیق انجم،ڈاکٹر: مولانا عرشی اردو کے پہلے متنی نقاد، مشمولہ غالب نامہ،مولانا امتیاز علی عرشی نمبر، نئی دہلی غالب انسٹی ٹیوٹ جنوری ۱۹۹۲ء،ص۲ ۱۴

۱۱۔ایضاً۔ص۱۴۵

۱۲۔امتیاز علی عرشی خان: مرتب فرہنگ غالب،رام پور،۱۹۴۷ء،ص۱۰

۱۳۔امتیاز علی عرشی خان: مرتب فرہنگ غالب،ص۱۰

۱۴۔امتیاز علی عرشی خان: مرتب نادرات شاہی،رام پور؛ہندوستان پریس ۱۹۴۹ء،ص۴۷۔۴۸

۱۵۔امتیاز علی عرشی خان: مرتب فرہنگ غالب،ص۲۱

۱۶۔امتیاز علی عرشی خان: مکاتیب غالب،رام پور طبع ششم،ص۲۱۲

۱۷۔ایضاً،ص۲۱۲

۱۸۔امتیاز علی عرشی خان: مرتب نادرات شاہی،رام پور؛ہندوستان پریس ۱۹۴۹ء۔ص۶۲

۱۹۔امتیاز علی عرشی خان: مرتب نادرات شاہی،ص۵

۲۰۔امتیاز علی عرشی خان: مرتب نادرات شاہی،ص۲۹